شاہ ولی اللہؒ کا نظریۂ انقلاب[1]

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم

تمدن انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اور اس کی تشکیل کے لئے وہ کسی خارجی مدد کا محتاج نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں، اُن کا ظہور تمدن کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک الگ تھلگ جزیرے میں اگر مرد اور عورت ہوں، تو وہ خود اپنے طبائع سے تمدن کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

انسانی معاشرے میں اِس طرح جو تمدن معرضِ وجود میں آتا ہے، وہ اُس وقت تک صحت مند اور صالح رہتا ہے، جب تک کہ اُس سے افرادِ معاشرہ کی اکثریت کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں، لیکن جب اُن میں معاشی ناہمواری افراط و تفریط کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور ایک طبقے کے پاس سب کچھ ہوتا ہے اور دوسرا ادنےٰ ضرورتوں تک سے محروم ہو جاتا ہے، تو یہ تمدن برباد کیئے جانے کے قابل ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرے کو اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑے تو پھر اس میں انقلاب کا آنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک کاسب طبقے کی کمائی پر غیر کاسب طبقے کا قبضہ کر لینا شریعت کے خلاف ہے، اسی طرح خود کاسبوں کے ایک گروہ کا اُن کے دوسرے گروہ کی کمائی کا زیادہ حصہ ہتھیا لینا بھی ناجائز ہے۔

جب کسی معاشرے میں یہ حالت ایک وبائی شکل اختیار کر لے اور معاشی ناہمواری کی افراط و تفریط اُس کا عام معمول بن جائے، تو اُس میں حتمی طور سے انقلاب آجاتا ہے، چنانچہ اُس معاشرے کا ایک گروہ تو انقلاب کا مبلغ

---

[1] یہ مضمون مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی "امالی" سے مرتب کیا گیا ہے۔ (مدیر)

بنتا ہے اور دوسرے اُس کے ہمدرد ہوجاتے ہیں۔ بے شک اِن ہمدردوں کے اخلاق و اطوار کا اثر اس انقلاب کے مظاہر پر پڑتا ہے، لیکن جہاں تک اس انقلاب کی روح کا تعلق ہے۔ اُس کا ترجمان وہی گروہ ہوتا ہے جو انقلاب کا مبلغ و قائد ہے۔

ہر انسان کو اپنا رزق خود پیدا کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ کسی وجہ سے معذور ہے، تو وہ بات دوسری ہے۔ ایک انسان کا خود اپنی روزی پیدا کرنا ایک فطری تقاضا ہے۔ اب ایک گھرانا ہے جس میں کمانے والے کم اور کھانے والے زیادہ ہیں ظاہر ہے یہ گھرانا جلد یا بدیر تباہ ہوگا۔ اسی طرح جس معاشرے میں کاسب کم ہوں، اور کھانے والے زیادہ، وہ معاشرہ روگی ہے، اور اُس کا ختم ہونا لابدی ہے، لیکن اگر ایک معاشرے میں کاسب زیادہ ہیں لیکن اُن کی محنت سے جو دولت پیدا ہوتی ہے اُسے منتظمین کا ایک مخصوص طبقہ دوسروں سے زیادہ لے لیتا ہے۔ یعنی حقِ کسب سے حقِ انتظام بہت زیادہ ہے، تو اس صورت میں بھی یہ معاشرہ غیر صالح ہے۔ اور اس کا جانبر ہونا مشکل ہے۔

غرض انسانیت کے فساد کی سب سے بڑی وجہ یہی معاشی ناہمواری کی افراط و تفریط ہے، اس سے جہاں ایک طرف فقر و فاقہ اور عیش و عشرت عام ہوتی ہے وہاں دوسری طرف اخلاق بھی بگڑتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانیت کے اعلیٰ تقاضے بہت حد تک معاشی حالات کے اثرات قبول کرتے ہیں، اسی لئے ہم عام مرفہ الحالی اور لوگوں کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کے معاملے میں بہت حد تک اشتراکیوں کے ساتھ چلنے کو تیار ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انسانوں میں جو اخلاق (اُن کے عام معنوں میں) اور تفکر کی قوتیں ہیں، اُن کی تربیت کیسے ہو، بے شک ہم چاہتے ہیں کہ انسانوں کی معاشی ضروریات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے، لیکن ساتھ ہی انسانیت کے اُس عنصر کو جو اخلاق اور تفکر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تشنہ نہ چھوڑا جائے۔

بات یہ ہے کہ اخلاق اور فکر کے بغیر کوئی نظام پائدار نہیں ہوسکتا چنانچہ جہاں ہم استحصال پسند سرمایہ داروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُنہوں نے معاشرے کے بہت بڑے حصّے کو معاشی لحاظ سے محتاج رکھ کر انسانیت کی سطح سے گرا دیا ہے وہاں ہمارا دوسرا الزام اُن پر یہ ہے کہ اُنہوں نے معاشرے کے اس بڑے حصّے میں سے اُس طبقے کو جو اخلاق اور فکر کو ترقی دے سکتا تھا محتاج بنا کر اس قابل نہ رہنے دیا۔ چنانچہ اس لحاظ سے استحصال پسند سرمایہ داروں کا قصور دوہرا ہے۔ بدقسمتی سے جب کسی وجہ سے معاشرے کا وہ طبقہ جو اخلاق اور فکر کو ترقی دینے کی صلاحیتیں رکھتا ہے

اپنی صلاحیتوں سے صحیح کام نہیں لے سکتا، تو اس کی یہ صلاحیتیں ذیل کاموں میں صرف ہوتی ہیں، جن کی پہلی شکل تملق اور چاپلوسی ہے، اس کے ذریعہ وہ طبقہ بڑوں کی خوشامد کرتا اور اس طرح اپنی معاشی احتیاجات پوری کرتا ہے۔ یہی مرض آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا موجب بنتا ہے۔ اس منزل میں نفس ناطقہ کے ذاتی خواص سارے تباہ ہو جاتے ہیں اور انسانیت فاسد ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی مسخ شدہ انسانیت کو برباد کرنے کے قدرتی اسباب پیدا ہوتے ہیں، اسے ہم انقلاب کا نام دیتے ہیں۔

قرآن مجید میں انبیاء کے جو قصے ہیں، وہ اسی قسم کے انقلاب کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالمگیر انقلاب کے داعی تھے جس کا ایک مثالی نمونہ آپؐ نے اپنی زندگی میں سرزمین حجاز میں قائم کرکے دکھایا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہؓ اس انقلاب کے دائرے کو اور وسیع کرتے ہیں۔ اور اُن کے عہد میں وہ سلطنتیں جو فسادِ انسانیت کا باعث تھیں، ختم ہو جاتی ہیں، اور صحت مند انسانیت کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابوں میں آپ کو اسلام کے اس تاریخی کردار کے بارے میں اس طرح کے افکار ملیں گے، جنہیں وہ اپنی کتابوں میں بار بار بیان کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک انبیاء کا کام فسادِ انسانیت کو ختم کرکے صالح انسانیت کے لئے سازگار حالات پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ ائمۂ انقلاب ہوتے ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے اور وہ اس لئے کہ آپؐ کی دعوت سب سے زیادہ عالمگیر ہے۔

اب ایک طرف آپ کو حضرت شاہ صاحب کی کتابوں میں یہ افکار ملتے ہیں اور دوسری طرف وہ اُن مفاسد کا ذکر کرتے ہیں، جو اُن کے زمانے میں عام ہو گئے تھے اور جنہوں نے انسانیت عامّہ کو خراب کر دیا تھا، اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاہ صاحب کے نزدیک ان مفاسد کا علاج وہی ہے جو اس سے پہلے انبیائے کرام کے ذریعہ ہو چکا ہے اور جس کا ایک اعلیٰ نمونہ اسلام کا وہ تاریخی کردار ہے جو عہدِ نبوی اور دورِ خلافتِ راشدہ میں وجود میں آیا۔ اسے ہم شاہ ولی اللہ کا نظریۂ انقلاب کہتے ہیں۔

اب ہم شاہ صاحب کی کتابوں سے اُن کے اِن افکار کا مختصر خلاصہ پیش کرتے ہیں:۔

حجۃ اللہ البالغہ دوم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی، تو اُن کی معاش و روزی بھی زمین پر مقرر کی اور زمین کی اشیاء سے انتفاع اُن کے لئے مباح اور جائز گردانا۔ اور چونکہ حرص و آز کی وجہ سے اُن کے نزاعات و جھگڑے ہونے لگے، تو حکم الٰہی یہ قرار پایا کہ کوئی انسان دوسرے انسان کی مخصوص و مختص چیز میں کسی قسم کی مزاحمت و مداخلت نہ کرے ....

"نیز چونکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور بلا باہمی تعاون کے انسان کی معاشی و معاشرتی تعمیر کی استقامت ناممکن ہے، اس لئے قضائے الٰہی سے انسانوں کے لئے باہمی تعاون واجب اور لازم کر دیا۔ نیز چونکہ نوع انسانی کا کوئی فرد بلا کسی سخت مجبوری کے تمدنی و عمرانی اور تمدنیات و عمرانیات کے دخل و اثر سے علٰحدہ بے تعلق اور بے اثر نہیں رہ سکتا اور اس کا اصل اور حقیقی سبب اور وجہ یہی ہے کہ ہر انسان کے لئے اپنے مباح مال کا تحفظ ناگزیر ہے۔ نیز اس مال مباح کا جو ہر انسان کے لئے مخصوص اور مختص ہو چکا ہے جس کے ذریعہ ہر انسان اپنی امداد و استعانت کرتا ہے، نمو اور اضافہ بھی ضروری ہے۔ ...."

اب اس مال میں نمو اور اضافہ شاہ صاحب کے الفاظ میں "بلا باہمی تعاون معاشی کے متعذر اور محال ہے۔ اور اس تعاون کے کچھ ایسے طریقے ہیں کہ جن کے بغیر شہری زندگی کی استقامت متغیر اور دشوار ہو جاتی ہے ......" اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ "میں کہتا ہوں، اس کی حقیقت وہی ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا مال اور ملکیت ہے ...... اور کسی انسان کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ اس چیز سے انتفاع کا حق سب سے زیادہ اس کو ہے، دوسرے کو نہیں..."

پھر فرماتے ہیں:۔ "میں کہتا ہوں۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جس مباح چیز میں بہت سے لوگوں کے حقوق علی الترتیب لازم ہوں، تو ایسی صورت میں واجب یہی ہے کہ ترتیب کی اسی قدر رعایت کی جائے کہ جس سے سب کو فائدہ پہنچے۔ اور یہ فائدہ ایسا ہو جو کم سے کم سمجھا جائے ......"

اس ضمن میں ایک حدیث بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

"آنحضرت صلعم نے ابیض بن حمال المآربی کو نمک کا ایک چشمہ دار قطعہ عطا کر دیا تھا، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ!

لہ حجۃ اللہ البالغہ کے ان اقتباسات کا اُردو ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل گودھری مرحوم کے ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے۔ (مدیر)

ہ بریبع الثانی ۱۳۸۶ھ

آپؐ نے اس کو نہ ٹوٹنے والا، نہ ختم ہونے والا مادہ دے دیا۔ راوی کہتا ہے یہ سن کر آں حضرت صلعم نے وہ قطعہ اُن سے واپس لے لیا ـــــ میں کہتا ہوں، اس امر میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ جن معاون اور کانوں میں زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہو، ایسی معادن اور کانیں کسی ایک مسلمان کو دے دینا عام مسلمانوں کے حق میں مضرت رساں ہے۔ اور اُن کے حق میں ایک قسم کی ضیق اور تنگی ہے۔ پس آنحضرت صلعم نے اس قطعۂ نمک کو ابیض بن حمال مآربی سے واپس لے لیا۔"

اس تمہید کے بعد حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

کسی شہر کے اندر مثلاً دس ہزار آدمی اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہیں، اس وقت اس شہر کی مدنی شہری سیاست اور شہر کے باشندوں کے کسب اور پیشوں سے بحث ناگزیر ہوگی۔ وہ پیشے جن سے شہر کی معیشت متوازن نہ رہے، شاہ صاحب کے نزدیک فساد اور خرابی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس صورت میں عطیۂ حکمتِ الٰہی کے مطابق معروف و مستحسن طریقوں پر معروف و مستحسن کسب اور پیشے اُن کے لئے لازم کر دیئے جائیں اور رذیل و خسیس پیشوں سے اُن کو روک دیا جائے تو شہری باشندوں کی حالت یقیناً درست ہو جائے گی۔

معاش کا یہ فساد شاہ صاحب کے نزدیک "شہر و ملک کے لئے ایسا متعدی ضرر رساں مرض اور روگ ہے کہ شہر اور ملک کے تمام گوشوں میں پھیل جائے گا اور اس طرح عام ہو جائے گا کہ تمام باشندوں کو اپنی زد میں لے لیگا۔ اور یہ مرض اور اس کا زہر شہر و ملک میں اس طرح جاری و ساری اور پیوست ہو جائے گا، جس طرح کسی کو کتا کاٹ لیتا ہے۔ اور اُس کے سارے جسم میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے اور یہی وہ مہلک و خطرناک مرض تھا، جو عجمی ممالک میں بلائے بے درماں کی طرح تمام پر مسلط ہو چکا تھا۔ چنانچہ خدائے قدوس نے اپنے پیغمبر صلعم کو القا فرمایا کہ اس مرض مہلک کا علاج کریں اور مرض کے اصل مادہ کا قلع و قمع کر دیں......" (صفحہ ۲۸۲ - ۲۹۰)

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشرے کے اُن مفاسد کا ازالہ بھی تھا، جو معیشت کے خراب طریقوں کی وجہ سے پیدا ہو چکے تھے۔

خود شاہ صاحب کے زمانے میں معاشرے میں اسی قسم کے جو مفاسد پیدا ہو چکے تھے، آپ نے اُن کا بھی ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اس زمانے میں شہروں کی بربادی کے دو بڑے اسباب ہیں، ایک یہ کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ چونکہ وہ فوجی یا عہدے دار ہیں، اس لئے بیت المال پر اُن کا حق ہے۔ اور اس طرح اُن کا کسب معاش کا ذریعہ صرف بیت المال بن کر رہ گیا ہے۔ یا زہاد اور شعراء وغیرہ ہیں جن کو بادشاہوں کے صلہ کی عادت پڑ گئی ہے اور اپنی معاش کا ذریعہ صرف بیت المال ہی کو سمجھ بیٹھے ہیں، اور بغیر کسی خدمت کے بیت المال پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کے ہاں جاتے ہیں اور اُن میں کبیدہ خاطری پیدا کرتے ہیں اور شہری آبادی پر بارگراں بن کر رہ جاتے ہیں۔

"دوسرا سبب یہ ہے کہ کسانوں، تاجروں، پیشہ وروں اور دست کاروں پر گراں بار ٹیکس لگائے جا رہے ہیں، اور اُن پر حد سے زیادہ سختی کی جاتی ہے جس سے اطاعت گزار طبقہ پر مصیبت آتی ہے، اور برباد ہو جاتے ہیں، اور وہ لوگ جو جری ہوتے ہیں، وہ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ شہروں کی بہبود کا طریقہ یہی ہے کہ رعایا پر کم سے کم ٹیکس لگائے جائیں اور ضرورت کے مطابق محافظ و نگراں مقرر کیئے جائیں۔ اہل زمانہ کو اس اہم نکتہ سے آگاہ ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم" (صفحہ ۱۲۱ حصہ اول)

شاہ صاحب کا یہ فرمانا ولیتنبہ اھل الزمان بھذہ النکتۃ (اہل زمانہ کو اس اہم نکتہ سے آگاہ ہونا چاہیئے) اپنے دور کے ارباب حکم کے لئے ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی دعوت اُمور دین کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی جملہ معاشی، سیاسی اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح پر بھی مشتمل تھی۔

رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدولت قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے ختم ہونے کے معنی کیا تھے؟ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ حصہ اوّل میں اسے یوں بیان کیا ہے:-

"آنحضرت صلعم کے عہدِ سعید میں وہ اقالیم صالحہ اور ممالک متمدنہ کہ جن میں معتدل مزاج کی تولید و پیداوار ہوا کرتی تھی، وہ دنیا کے دو بڑے زبردست بادشاہوں کے ماتحت تھے، ایک کسریٰ کہ عراق، یمن، خراسان، اور اُن کے متصل کے تمام ممالک پر اس کا تسلط و اقتدار قائم تھا۔ اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے تمام بادشاہ، راجہ اُس کے محکوم و باجگزار تھے۔ اور ہر سال انہیں کسریٰ کو ایک مقررہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔

"دوسرا قیصر تھا۔ شام، روم اور اُس کے نواح کے تمام ممالک پر اس کا تسلط و اقتدار قائم تھا اور مصر، مغرب اور افریقہ وغیرہ کے تمام سلاطین اس کے زیر فرمان اور باج گزار تھے۔ ان دو زبردست شہنشاہوں کی دولت و طاقت کو توڑ دینا اور اُن کے ملک پر تسلط و اقتدار قائم کر لینا ایسا تھا گویا تمام روئے زمین پر تسلط و اقتدار قائم کر لیا گیا۔ ان سلاطین

کی غیر معتدل مرفہ الحالی اور مفرطانہ عیش پرستی کے جراثیم اور مہلک عادات و اطوار کی گندگیاں ان تمام ممالک میں سرایت کر چکی تھیں، جو اُن کے تسلّط و اقتدار کے زیر فرمان تھے۔ اور تمام باشندے اُن کے رنگ میں رنگ چکے تھے۔ اس لئے اُنکی عادات و اطوار اور رسوم و رواجات کو تبدیل کر دینا اور اُن کو ان خطرناک مہلک جراثیم سے پاک صاف کر دینا گویا دنیا کے تمام ممالک کی اصلاح و درستگی تھی، اگرچہ بعد میں جا کر ان اُمور نے ایک دوسری شکل اختیار کر لی......

"حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کیا کہ ملّت و دین کی کجی کو دور کیا جائے اور ایک ایسی اُمّت اور قوم تیار کی جائے، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پوری قوت سے انجام دے اور لوگوں کی فاسد رسوم کو یکسر تبدیل کر دے۔ تو یہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ ان ہر دو بڑی سلطنتوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا جاتا۔ اور اس مقصد کو سہولت و آسانی سے حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان ہر دو جابر سلطنتوں سے تعرض کیا جاتا۔ کیونکہ انہی دو سلطنتوں کے حالات تمام متمدن اور صالح ممالک میں سرایت کیئے ہوئے تھے، یا سرایت کرتے چلے جاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو سلطنتوں کے زوال اور قلع قمع کا فیصلہ کیا اور خود آنحضرت صلعم نے اس کی خبر دی کہ هَلَكَ كسرىٰ ولا كسرىٰ بعده وهلك قيصر ولا قيصر بعده (کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور قیصر ہلاک ہو گیا اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا)۔ اور حق اس طور پر نازل ہوا کہ روئے زمین سے باطل کی جڑیں اس طریقہ سے اُکھاڑ دی گئیں۔ آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہ کے ذریعہ عرب سے باطل کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اور پھر عرب کے ذریعہ ان ہر دو جابر سلطنتوں کا قلع قمع کر دیا گیا اور پھر ان کے ذریعہ تمام عالم کی باطل طاقتیں توڑ دی گئیں اور دنیا سے باطل، ناروا اُمور کا خاتمہ کر دیا گیا اور دنیا کو پاک و صاف کر دیا گیا۔ وللہ الحجۃ البالغہ......"

ایک اور جگہ شاہ صاحب سلاطین عجم و روم کی بداعمالیوں کا مقابلہ اپنے دور کے بادشاہوں، رئیسوں اور امیروں سے یوں کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"معلوم ہونا چاہیئے کہ سلاطینِ عجم و روم قرن ہا قرن سے سلطنتوں کے وارث چلے آ رہے تھے۔ اس لئے یہ لوگ سرتاپا دنیوی لذتوں اور عیش کوشیوں کے عادی ہو چکے تھے۔ آخرت کو بالکل فراموش کر چکے تھے۔ شیطان اُن پر پوری طرح غالب ہو چکا تھا۔ اور انہی اُمور کو انہوں نے مقصد حیات سمجھ لیا تھا...... شدہ شدہ یہ حالت ہو گئی کہ وہ امیر، رئیس، یا سردار جس کی کمر کی پیٹی اور تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی اس پر طعن و تشنیع کیا کرتے، اسی طرح وہ شخص جس کے پاس عالی شان محل، شاندار قصر و ایوان، حوض، حمام، باغات، خوبصورت قیمتی چوپائے، گھوڑے، حسین غلام و خدام اور لونڈیاں

نہ ہوتیں ...... اس پر طعن و تشنیع کیا کرتے۔ اس قسم کے اُمور کا ذکر بہت طویل ہے۔ اور ان کی داستانوں کے دہرانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اپنے ملک کے بادشاہوں، رئیسوں اور امیروں کا حال ہی دیکھ لو۔

"غرض اس قسم کے مہلک اور خطرناک اُمور ان لوگوں کی معاشرت کے اُصول اور جزوِ زندگی بن گئے تھے، اور ایسی خطرناک شکل اختیار کر لی تھی کہ اُن کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے تب بھی اُن کے دلوں سے ان کا نکلنا دشوار تھا۔ شہر و ملک کے تمام اطراف و جوانب میں یہ لاعلاج امراض اس طرح پھیل گئے تھے کہ لوگ ایک عام مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے ...... تمام کے دامن اس سے اُلجھ گئے تھے اور تمام کو عاجز و مغلوب کر کے رکھ دیا تھا ......"

"(آخر میں) جب دنیا میں یہ عظیم ترین مصیبت عام ہو گئی اور یہ مہلک و خطرناک مرض نہایت سخت ہو گیا۔ روم و عجم کے تمدن غیر صالحہ نے دنیا کی کمر توڑ دی تو اُن پر اللہ تعالےٰ اور اُس کے ملائکہ مقربین کی ناراضگی ظاہر ہوئی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اسی میں تھی کہ اس مہلک مرض کا علاج کیا جائے ..... اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ پیغمبر صلعم کی سلطنت قائم کر کے عجمیوں کی سلطنت ختم کر دی جائے اور یہ شکل اسی طرح وقوع پذیر ہوئی کہ ھلک کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ وھلک قیصر ولا قیصر بعدہ۔"

شاہ صاحب نے "البدور البازغہ" میں معاشی فراغت (رزق) میں ایک حد اعتدال قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ فرماتے ہیں "اس کے بارے میں دو متعارض قیاس ہیں، ایک یہ کہ معاشی فراغت اچھی چیز ہے۔ طبیعت اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سے مزاج، دماغ اور دل صحیح رہتا ہے، اخلاق اور علوم اس کی وجہ سے استقامت اختیار کرتے ہیں اور یہ کہ تمام کُند ذہنی اور بد خلقی، بُرے کھانے اور دوسری بُری تدابیر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیز ذہانت، نیک خلقی اور لطف و مروت صحت مند تدبیروں کا حاصل ہے۔ اس ضمن میں دوسرا قیاس یہ ہے کہ معاشی فراغت بُری ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں اور انسان دوڑ دھوپ میں پڑ کر آخرت سے مُنہ موڑ لیتا ہے[1]"

شاہ صاحب ان دونوں پہلوؤں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ معاشی فراغت یعنی رفاہیت میں حدِ اعتدال ہی اچھی چیز ہے جس سے کہ انسان جملہ خوبیوں کو حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خرابیوں سے بچا رہے۔ رفاہیت میں افراط و تفریط دراصل معاشی ناہمواری سے پیدا ہوتی ہے اور یہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

---

[1] البدور البازغہ ص ۵۵-۵۶

آج کل کے سیاسی نظاموں میں اہلِ علم صرف ایک امیر کی اطاعت کو مرکزیت کے لئے ضروری نہیں سمجھتے۔ اُنکے نزدیک اس سے خرابیاں پیدا ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔ شاہ صاحب اس کا علاج یہ تجویز کرتے ہیں کہ ایک "بورڈ" ہو جس کے ارکان کے ہاتھ میں الگ الگ اختیارات ہوں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں میں نے کسی مذہبی عالم کے ہاں اس طرح کا فکر نہیں پایا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک کامل ریاست میں جس میں بہت سے افراد ہوتے ہیں نظام قائم رکھنے کے لئے ایک ایسا آدمی ہونا چاہیئے جو اکیلا سب اُمور کی کفالت کرے، اور وہ "الامام الحق" ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے " وقلّما یوجد ذٰلک " اور ایسا آدمی کم ہی ملتا ہے چنانچہ اکثر دو تین امور ایک آدمی کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ اور باقی اُمور دوسرے کے پاس (البدور البازغہ ص۹۳)۔

شخصی حکومت کے بجائے عقلائے قوم کی حکومت کی یہ تجویز پارلیمنٹری نظام کا نقطۂ آغاز ہو سکتی تھی، کاش اُس وقت اس کی طرف توجہ کی جاتی۔

"اقترابات" جن سے مراد قربِ الٰہی کے حصول کے ذرائع اور "ارتفاقات" جو عبارت ہیں معاشی، سیاسی و اجتماعی تدابیر سے، شاہ صاحب کے نزدیک اسلام ان دونوں کے لئے صراطِ مستقیم پیش کرتا ہے۔ اُس نے قیصریت و کسرویت کو ختم کر کے "ارتفاقات" میں راہِ وسط پیدا کی، اور ہر قسم کے شرک کی تردید کر کے "اقترابات" کا صحیح مقام معین کیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت آفریں طبیعت کا یہ خاص کمال ہے کہ اُنہوں نے اِس دَور میں اسلام کی اس ہمہ گیر روح کو بے نقاب کیا۔ ایک تو اُنہوں نے روحانی زندگی و مادّی زندگی (اقترابات اور ارتفاقات) کے ایک وحدت ہونے کا اثبات کیا، اور بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشی ناہمواریوں کا خاتمہ کرنا بھی تھا۔ دوسرے اُنہوں نے تمام مذاہب کے مشترک مبادی معین کیئے اور اس طرح مسلمانوں کے سامنے از سرِ نو وہ تمام ذہنی وسعتیں بے نقاب کیں، جو صدیوں سے اُن کی نظروں سے اوجھل تھیں۔

یہ اساسی نظریہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کی اُس دعوت کا جسے میں اُن کی "دعوتِ انقلاب" کا نام دیتا ہوں۔